

# شاہ ولی اللہ اور مولانا آزادؒ

## کی تفسیر و رقابت قابل مطالعہ

(۲)

اسرائیلیات ————— ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

قرآن کی تفسیر و تشریح میں اسرائیلی روایات سے مدد لی جائے یا نہیں اور اگر لی جائے تو کس حد تک؟ یہ مسئلہ مفسرین کی توجہ کا موضوع رہا ہے، اگرچہ اسرائیلی روایات سے استفادہ کی حیات شاید ہی کسی مفسر نے کی ہو مگر یہ بھی جرح ہے کہ کم ہی مفسرین کا دامن اسرائیلیات سے پاک رہا ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”اسرائیلی روایات کا نقل کرنا ایک ایسی بلا ہے جو ہمارے ذہن میں داخل ہوگئی ہے، حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ ان کی تصدیق کرو نہ مکتذیب، اس قاعدہ سے دو باتیں معلوم ہوں، اول یہ کہ جیب تک تعریف کلام اللہ کا بیان حدیث نبویؐ میں دستیاب ہو سکے، نبی اسرائیل سے نقل نہ کرنا چاہیے۔ دوسرے یہ قاعدہ کلید ہے کہ ضروری امر اپنی حد تک ہی محدود رہتا ہے، اس لیے اقتضا، تعریف کی مقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیان کرنا چاہیے تاکہ اس کی تصدیق ہم قرآنی شہادت سے کر سکیں اور اس سے زیادہ بیان سے زبان کو روکنا چاہیے۔“

مولانا آزاد اس کلید سے بھرپور اتفاق کرتے ہیں اور تفسیری اصولوں کی تفہیم کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:

”نو مسلم اقوام کے قصص و روایات اول دن سے پھیلنا شروع ہو گئے تھے، ان میں سے اسرائیلیات (یعنی یہودیوں کے قصص و خرافات)

کو ہمیشہ محققین نے چھانٹنا چاہا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان غلاموں کے مخفی ہونے  
اثرات دُور دُور تک سرایت کر چکے تھے اور وہ برابر جم تفسیر میں پیوست ہے:

تفسیروں میں اسرائیلی روایات کی دراندازی کا شکوہ جو مولانا نے کیا ہے وہ درست  
ہے اور مولانا نے ایسی روایات سے ترجمان القرآن کو دور رکھا ہے مگر اس کو کیا کیجئے کہ مولانا  
نے جس فراخ دلی کے ساتھ بائبل یعنی توریت اور انجیل سے استفادہ کیا ہے اور قرآنی  
مطالب کی گرہ کشائی میں ان سے استشہاد کیا ہے وہ بجائے خود قابل غور مسئلہ ہے چنانچہ  
سورہ الانبیاء کی آیت **وَ اَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ اِنِّى مَسْحُوبٌ** اَنْتَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ  
(الانبیاء: ۸۳) کی تفسیر میں مولانا آزاد نے پورا انحصار توریت کے باب ایوب پر کیا ہے اور  
پورے باب کا خلاصہ تقریباً ۶ صفحات میں بلا تکلف نقل کیا ہے ۱۱۱

مفسرین سلف نہ صرف اسرائیلی روایات کے سلسلے میں محتاط تھے بلکہ توریت و  
انجیل سے استشہاد کرنے میں بھی محتاط تھے۔ مگر بعد کے مفسرین میں بائبل سے اخذ و استفادہ  
اور قرآن کی تفسیر میں اس سے استشہاد کا رجحان پیدا ہوا جس کو اسرائیلیات کی دوسری  
شکل ہی کہا جاسکتا ہے۔ مولانا آزاد نے بائبل کا مطالعہ بار بار کیا ہے اور ترجمان القرآن  
میں بکثرت اس کے بیانات کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ مولانا آزاد کی رائے توریت کے  
بارے میں یہ ہے کہ:

”توریت کے بقیہ اجزاء کے بارے میں کچھ ہی کہا جائے، لیکن  
موجودہ زمانہ میں علم و تحقیق کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ کتابِ پیدائش  
لاائق اعتماد نہیں، خصوصاً اس کا ابتدائی حصہ“ ۱۱۲

ایسے موقع پر معتدل و متوازن طرز عمل وہی ہے جس کی طرف شاہ ولی اللہ  
نے اشارہ کیا ہے۔

## شاہ ولی اللہ اور مولانا آزاد کی تفسیروں میں فرق

شاہ ولی اللہ اور مولانا آزاد کی تفسیروں میں جہاں ہم آہنگی کی مثالیں ملتی ہیں وہاں  
فرق و اختلاف کی مثالیں بھی موجود ہیں اور یہ فرق متعدد وجوہ اور پہلو رکھتا ہے۔

شاہ ولی اللہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے طریقہ تفسیر میں ایک فرق یہ ہے کہ شاہ صاحب

آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بالعموم نزول کے پس منظر، حالات، مسائل اور اسباب پر نظر رکھتے ہیں۔ جبکہ مولانا آزاد آیات کے مطالب، آفاقی پیغام منطقی نتائج اور عمومی اثرات کو اجاگر کرتے ہیں۔

شمال کے طور پر یہ آیت دیکھئے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْتُرِكُمْ أَمْ  
تُؤَدُّوْنَ الْآلِهَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (انسان: ۵۸)

خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو جس کی امانت ہو وہ اس کے حوالہ کر دیا کرو۔

اس کی تفسیر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

”اس آیت میں اشارہ ہے عثمان جحییٰ کے واقعہ کی طرف کہ ان کے ہاتھ سے خانہ کعبہ کی چابی لے لی گئی اور لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چابی حاصل کرنے کی سعی کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ کیا اور حضرت عثمان جحییٰ کو دوبارہ چابی سونپ دی۔ ﷺ

مولانا آزاد نے اس موقع پر لکھا ہے۔

”اجتماعی زندگی کے نظم و فلاح کے لیے اصل اصول یہ ہے کہ جو جس بات کا حق دار ہو اس کے حق کا اعتراف کر دے اور جو چیز جسے ملنی چاہیے وہ اس کے حوالہ کر دے، وارث کا حق ہو، یتیم کا مال ہو، قرض دار کا قرض ہو، امانت رکھنے والے کی امانت ہو، اہلیت رکھنے والے کے لیے منصب اور عہدہ ہو، کوئی چیز ہو اور کوئی صورت ہو لیکن جو جس کا حق ہے اور جو جس کا اہل ہے وہ اسے ملنا چاہیے“ ﷺ

سورہ توبہ میں اہل کتاب سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں ارشاد ہے حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (التوبہ: ۲۹) شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے ”تا آنکہ بدبند جزیرہ از دست خود خوار شدگان“ ﷺ

مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات لینا اور مفتوح اہل کتاب سے جزیرہ لینا برحق ہے، مگر ”وہم صاغرون“ کا ترجمہ شاہ صاحب نے ”خوار شدگان“ کیا ہے جو مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ بعض فقہار نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل ذمہ سے جزیرہ لینے کے ساتھ انہیں خاص طرح کے لباس کا پابند بنایا جائے گا اور انہیں

گھوڑے کی سواری استعمال کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ یہی رحمان شاہ صاحب کے ترجمہ سے بھی بھٹکتا ہے۔ حالانکہ یہ تصوری انسانوں سے حسن سلوک اور شریفانہ برتاؤ کی عام قرآنی تعلیمات سے بالکل متضاد ہے۔ صاغرون کا ترجمہ چھوٹا بن کر رہنا یا اسلام کی بالادستی قبول کرنا بھی ہو سکتا ہے مولانا ابوالکلام آزاد نے بجا طور پر اس حقیقت کو محسوس کیا ہے اور اسلام کے قانون جزیرہ کی حکمت تفصیل سے بیان کی ہے مولانا آزاد نے آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے ”یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیرہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو“ ۱۳۷

یہ ترجمہ عام ترجموں سے مختلف ہے، اس لیے حواشی میں اسے مدلل کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں:

امام شافعیؒ نے کتاب الام میں تصریح کی ہے ”سمعت عدد ۱

من اهل العلم يقول الصغار ان یحیری علیہم حکم الاسلام“  
یعنی میں نے متعدد اہل علم سے سنا ہے کہ وہ صاغرون کا مطلب یہ ہے  
کہ ان پر اسلامی حکومت کے قوانین جاری ہو جائیں۔ یعنی وہ اسلامی حکومت  
کے قوانین کے آگے جھک جائیں“ ۱۳۷

یہی مطلب زیادہ مناسب اور قرآن کی مجموعی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے۔

## یوسفؑ کے بھائیوں کا جھوٹ

سورہ یوسف میں ایک موقع کا بیان ہے کہ جب قحط کے ایام میں یوسفؑ کے بھائی غلہ لینے آئے تو حضرت یوسفؑ نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کے سامان میں پیالہ رکھ دیا۔ جب کارندوں نے اسے تلاش کیا تو وہ بنیامین کے سامان میں سے نکلا، اس پر ان کے سوتیلے بھائیوں نے کہا۔

اِنَّ يٰسِرْقًا فَعَدَسِرْقًا اَخٌ لِّمَنْ قَبْلُ فَاَسْرَهَا يُّوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَاَكْمُرُ  
يُبَدِّهَا لَهُمْ (يوسف : ۷۷)

شاہ ولی اللہ نے یوسف کے بھائیوں کے اس قول کو امر واقعہ تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”یوسف علیہ السلام نے (بچپن میں) اپنی نانی کے یہاں ایک سونے کا بت چرایا تھا تاکہ وہ بت پرستی سے باز رہیں یا اس قصہ کے مشابہ کوئی چیز چرائی تھی جو ان پر تہمت کا سبب نہی“۔ ہلہ

مولانا ابوالکلام آزاد نے ایسے کسی واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے اور حضرت یوسف کے بھائیوں کے اس قول کو جھوٹ اور حد پر محمول کیا ہے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ مولانا آزاد کی توجیہ زیادہ مناسب اور بر محل ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

”جھوٹوں کا قاعدہ ہے کہ کوئی موقع، کوئی بات ہو جھوٹ بولنے سے نہیں رکھتے، اگر مدح کا موقع ہو تو جھوٹی مدح کر دیں گے، مذمت کا موقع ہو تو کوئی جھوٹا الزام لگا دیں گے، جب بنیامین کی خرابی میں سے پیار لکھ لیا تو بھائیوں کا سوتیلے بن کا حسد جو شش میں آگیا، جھٹ بول اٹھے، اگر اس نے چوری کی تو کوئی عجیب بات نہیں، اس کا بھائی یوسف بھی چور تھا، پس یہ بغض و حسد کی ایک بات تھی اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ واقعی کوئی ایسی بات ہوئی بھی تھی“۔ ہلہ

## اہل کتاب محمدؐ کی رسالت کو پہچانتے تھے

سورہ الانعام میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمْ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اٰبْنَآءَهُمْ (الانعام: ۲۰)

شاہ ولی اللہ نے آیت کا مفہوم یہ بیان کیا ہے ”انانکہ ایشان را کتاب دادہ ایم می شناسند حقیقت قول را یعنی کلمہ توحید“۔ ہلہ گویا یوسف سے مراد توحید ہے یعنی اہل کتاب اپنی اولاد کی طرح توحید کی معرفت رکھتے تھے۔ جبکہ مولانا آزاد نے یوسف سے مراد محمدؐ کی رسالت لی ہے اور یہی عام مفسرین کا خیال ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے یعنی یہود اور نصاریٰ وہ

حقیقت حال سے بے خبر نہیں ہیں جو اس کی سچائی یعنی پیغمبر اسلام کی سچائی اس طرح پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں“۔ ہلہ

## واقعاتِ انبیاء کی توجیہ

شاہ ولی اللہ اور مولانا آزاد کے تفسیری مناہج میں فرق و امتیاز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شاہ صاحب نے انبیاء کرام سے متعلق واقعات کی تشریح و توجیہ فتح الرحمان میں روایتی انداز میں کی ہے جبکہ مولانا آزاد نے بالعموم عقلی اور اجتہادی انداز اپنایا ہے مثال کے طور پر:

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے مجھے دکھا دے، اللہ نے پوچھا کیا تمہیں ہماری قدرت پر ایمان نہیں؟ ابراہیمؑ نے کہا ایمان تو ہے مگر اطمینان قلب چاہتا ہوں تب اللہ نے ارشاد فرمایا:

”فَخَذْنَا بَعْثًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ فَنُصِّرُهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اَجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جَبْرًا ثُمَّ اَدْعُهُنَّ يٰٰ تَيْنِكَ سَعِيًّا (البقرہ: ۲۶۰)

شاہ ولی اللہ نے وہی ترجمہ کیا ہے جو عام طور پر مفسرین کرتے ہیں یعنی ”بگیر چہار عدد از پرندگان پس ہم آور ہمہ را نزدیک خود قطعہ قطعہ بعد از ان بگذار بر ہر کو ہے از ایشان بعد از ان ندا کن ایشان را بیا بند پیش تو شتاباں“ شاہ صاحب نے ترجمہ میں ”قطعہ قطعہ“ کا اضافہ کیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ پرندوں کے ٹکڑے کیے جائیں، دیگر مفسرین نے اس کی مزید وضاحت کی ہے کہ ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کر کے ان کے پارچے ملا لیے جائیں، پھر ان کو پہاڑوں پر رکھا جائے۔“

مولانا ابوالکلام آزاد کے یہاں مطالبہ ابراہیم میں حیات سے مراد دعوتِ حق سے مردہ قوموں کا زندہ ہو جانا ہے، نہ کہ حقیقی موت و حیات۔ مولانا لکھتے ہیں:

”حضرت ابراہیمؑ کا ظہور ایک ایسے عہد میں ہوا تھا، جبکہ ان کے ملک میں اور ان کے ملک سے باہر کوئی گروہ بھی ایسا نہ تھا جس میں قبولِ حق کی استعداد دکھائی دیتی ہو، یہ حالت دیکھ کر انھوں نے کہا خدایا تو کیوں کر اس موت کو زندگی سے بدل دے گا؟ اس پر اللہ نے دعوتِ حق کی انقلاب انگیز حقیقت پرندوں کی مثال سے واضح کر دی، اگر تم ایک پرند کو کچھ دنوں تک اپنے پاس رکھ کر ایسا

تر بیت یافتہ بنا سکتے ہو کہ تمہاری آواز سنتا اور تمہارے بلانے پر اڑتا ہو آجاسکتا ہے تو گمراہ اور توحش انسان دعوت کی تفہیم و تربیت سے اس درجہ اثر پذیر نہیں ہو سکتے کہ تمہاری صدائیں سنیں اور ان کا جواب دیں۔“ ۹۹

مولانا آزاد کی یہ تفسیر دروازہ کا معلوم ہوتی ہے، ایک جلیل القدر نبی اللہ سے یہ مطالبہ کیوں کرے گا کہ تو شرک سے ایمان کی طرف لوگوں کو کس طرح لانے کا جب کہ نبی کو مبعوث اسی کام کے لیے کیا گیا ہے۔ ہاں وہ اگر مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا مطالبہ قابل فہم ہے اور یہ ویسا ہی مطالبہ ہے جو ایک دوسرے نبی نے اللہ سے کیا تھا جس کا تذکرہ پہلے کی آیت اُنّی مَحْيٰی هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِہَا میں موجود ہے۔

سورہ الانبیاء: ۷۸ میں ہے :

وَدَاۤءِۢدَ وَاَسْلَمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرٰثِ اِذْ نَفَسَتْ فِیْہِ غَنَمُ الْقَوْمِ  
شاہ صاحب نے اس آیت کا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ :

” ایک گردہ کی بکریاں دوسرے گروہ کے کھیت میں رات کے وقت گھس کر کھیت چر گئیں حضرت داؤد نے بکریاں کھیت والے کے حوالہ کرنے کا فیصلہ کیا اور حضرت سلیمان نے بکری والے کو کھیت کی کاشت درست کرنے اور اس وقت تک کھیت والے کے لیے بکریوں کا دودھ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔“ ۱۰۰

مولانا آزاد نے آیت کے اس مفہوم کا اگرچہ انکار نہیں کیا ہے، مگر ترجمہ اور تشریح میں

ایک دوسرا مفہوم بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :

”اگر ایک آدمی ایک طرف کھیت بوئے، دوسری طرف رات کے وقت اپنی بکریاں بھی کھول دیا کرے تو کیا نتیجہ نکلے گا۔ یہی کہ ساری فصل تباہ ہو جائے گی، وہ جتنا چرسکیں گی چرس گیتنا روند سکیں گی روند جائیں گی۔ یہی حال یہودیوں کا تھا، وہ ایک طرف بناتے تھے، دوسری طرف خود اپنے ہی ہاتھوں سے اجاڑ دیتے

تھے حضرت داؤد نے انھیں فلسطینیوں پر فتح مند کرایا اور تمام ملک ساحل بحر تک ان کے قبضہ میں آگیا، لیکن پھر بھی ان میں نظم و اطاعت کی روح پیدا نہ ہوئی، البتہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں ایک نیا انقلاب رونما ہوا اور انھوں نے اپنی دانش و حکمت و نبوت سے یہودیوں کی حالت ایسی پلٹ دی کہ ایک عظیم الشان عبرانی مملکت قائم ہو گئی، ایشہ

## خواتین کے حقوق

ہر مصنف اپنے زمانے کے علمی شعور، تہذیبی و تمدنی سرگرمیوں اور سماجی تبدیلی کا کسی نہ کسی درجہ میں اثر قبول کرتا ہے اور اس کی علمی کاوشوں میں اس کی جھلک کم و بیش نظر آتی ہے۔ مولانا آزاد اور شاہ صاحب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اس لیے ان بزرگوں کی تفسیری کاوشوں کی معنویت اور قدر و قیمت کا تجزیہ کرتے وقت ان دونوں کے عہد اور علمی، سیاسی اور سماجی حالات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ایک ہی حقیقت کی دونوں ترجمانی کرتے ہیں مگر دونوں الگ رخ اور جہت پر زور دیتے ہیں، وقت اور حالات نوکِ قلم کو خود بخود اپنی طرف موڑ لیتے ہیں۔ شاہ صاحب کے عہد کا مسلم معاشرہ جامد و ساکن اور مولانا آزاد کا ماحول گونا گوں علمی ترقیوں اور سیاسی و سماجی تبدیلیوں کا ہے۔ نئے علوم و افکار اور تجربوں کا ہے، اس کا انداز ان کی تفسیری کاوشوں میں بھی ملتا ہے۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ ملاحظہ ہو:-

وَلَمْ يَسْئَلْكُمْ مِثْلَ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِيَلْتَجَالَ عَلَيْهِنَّ  
دَرَجَاتٌ (البقرہ: ۲۲۸)

شاہ صاحب نے اس آیت کا سادہ سا معروف مطلب بیان کیا ہے  
”زنان را بر مردان حق است چنانچہ مردان را بر زنان حق است“ ۱۷۶  
جب کہ مولانا آزاد نے یہاں ایک تفصیلی بحث حقوقِ نسواں پر کی ہے  
تاریخ میں عورت کا مقام، مذاہب کا ان کے بارے میں رویہ اور اسلام کے  
عطا کردہ حقوق پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، وہ لکھتے ہیں ”قرآن نے چار لفظ کہہ کر ”وَلَمْ يَسْئَلْكُمْ  
مِثْلَ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ“ انسان کی معاشرتی زندگی کے سب سے بڑے



انقلاب کا اعلان کر دیا تھا۔ ان چار لفظوں نے عورت کو وہ سب کچھ دے دیا جو اس کا حق تھا مگر جو اسے کبھی نہیں ملا تھا، ان لفظوں نے اسے محرومی و شقاوت کی خاک سے اٹھایا اور عزت و مساوات کے تحت پرٹھا دیا۔ پھر اسلوبِ بیان کی جامعیت اور مانعیت پر غور کرو، زندگی و معاشرت کی کون سی بات ہے جو ان چار لفظوں میں ہمیں آگئی اور کون سا رخنہ ہے جو بند نہیں کر دیا گیا؟

اسی کے بالمقابل سورۃ النساء کی آیت ہے ”الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا آفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (النساء: ۳۴)“  
شاہ صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں عورتوں پر مرد کے نگران ہونے کا سبب مرد کی فطری اور جبلی برتری بیان کیا ہے، ان کے الفاظ ہیں ”سبب آنگہ مراں دراصل جبلت برتر اندازنماں“

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس آیت کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے:  
”مرد عورتوں کے لیے کارفرما ہوئے، اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس لیے کہ مرد اپنا مال جو ان کی محنت سے جمع ہوتا ہے، عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ یعنی خاندانی زندگی کا نظام قائم نہیں ہو سکتا اگر کوئی فرد اس کا قوام یعنی بندوبست کرنے والا نہ ہو، یہ ”قوام“ ہستی کس کی ہوئی؟ شوہر کی یا بیوی کی؟ قرآن کہتا ہے خاندانی زندگی کا نظام اس طرح چل رہا ہے کہ قوام ہستی کی جگہ شوہر کی ہوئی۔ پس اتنا ہی امتیاز ہے جو مرد کو عورت کے مقابل میں حاصل ہے، بشرطیکہ اس امتیازی ذمہ داری کو جو سرتاسر ایک بوجھ ہے، وجہ امتیاز حاصل کر لیا جائے ظاہر ہے کہ اس امتیاز سے مردوں کو کوئی پیدائشی امتیاز حاصل نہیں ہو جاتا، محض خاندانی نظام کا ایک ڈھنگ ہے جس نے یہ جگہ اسے دلا دی ہے،“

مولانا آزاد کی مذکورہ دونوں وضاحتوں پر غور کیجئے، اور پھر اس عہد کو دیکھئے جب یورپ میں آزادی نسوان کی تحریک زور شور سے چل رہی تھی، زندگی کے ہر میدان میں مساوات مرد و زن کے آواز سے بلند ہو رہے تھے اور اس کی بازگشت نہ رہی

اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کے منشور میں سنانی دینی تھی بلکہ مسلم ممالک بالخصوص مصر میں مسلم دانشوروں کی تحریروں اور تحریکوں میں اس کی جھلک نظر آتی تھی۔ اسی پس منظر میں مولانا آزاد نے مصری مصنف فریدی و جدی کی کتاب ”المرأة المسلمة“ کا اردو ترجمہ کیا۔ یہی ذہنی پس منظر ہے جس میں انہوں نے حقوق نسواں کے سلسلہ میں قرآن کریم کی آیتوں کی حکمت و عہد حاضر میں ان کی معنویت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا آزاد نے اس سلسلہ میں زیادہ مفصل بحث سورہ یوسف کی آیت ”اِنَّ كَيْدَ كُنَّ عَظِيْمٌ“ کے تشریحی نوٹ میں کی ہے۔

## جدید علمی تحقیقات

شاہ ولی اللہ اور مولانا آزاد کے مناہج تفسیر میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ شاہ صاحب کی تشریح کی بنیاد قدیم علوم و معارف پر ہے کیوں کہ علوم جدیدہ یا نئی تحقیقات ان کے عہد میں سامنے نہ آئی تھیں۔ اس کے برخلاف مولانا آزاد کو وہ دور ملا جس میں تازہ معلومات، جدید تحقیقات اور نئی انکشافات سامنے آ رہے تھے اور ان سے قرآنی واقعات کو سمجھنے میں مدد مل رہی تھی۔ مولانا آزاد کی اس جدید مواد پر نظر بھی تھی اور قرآن کریم کی ترجمانی میں انہوں نے اس کا پورا استعمال بھی کیا ہے۔ مولانا آزاد نگتھے ہیں۔

”علم و نظر کی راہوں میں آج کل قدیم و جدید کی تقسیم کی جانی ہے، لیکن میرے لیے یہ تقسیم بھی کوئی تقسیم نہیں۔ جو کچھ قدیم ہے وہ مجھے ورثہ میں ملا ہے اور جو کچھ جدید ہے اس کے لیے اپنی راہیں آپ نکالیں۔ میرے لیے وقت کی جدید راہیں بھی ویسی ہی دیکھی بھائی ہیں جس طرح قدیم راہوں میں گام فرسائی کرتا رہا ہوں۔“

## اصحابِ رفیم

ماحول اور عہد کی وجہ سے قدیم و جدید کا یہ فرق فتح الرحمان اور ترجمان القرآن میں بھی نظر آتا ہے۔ قرآن کریم میں اصحاب کہف کو اصحابِ رفیم بھی کہا گیا ہے۔

”اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكُهْفِ وَالرَّفِیْمِ كَانُوْا مِنْ لَدُنَّا عَجَبًا (الکہف: ۹)“

شاہ صاحب اور دیگر مفسرین نے رقیم کا مطلب، تحریر، اور مکتوب بیان کیا ہے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ ”نوشتہ کہ دیوار غار“ لکھتے مگر مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ رقیم ایک شہر کا نام تھا جس میں یہ غار واقع تھا، مولانا آزاد نے اس تشریح کو جدید اثری تحقیقات Archaeology کی مدد سے تفصیل مدلل کیا ہے۔ مولانا آزاد کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ”بعض ائمہ تابعین نے اس کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ یہ ایک شہر کا نام ہے لیکن چونکہ اس نام کا کوئی شہر عام طور پر مشہور نہ تھا، اس لیے اکثر مفسرین اس طرف چلے گئے ہیں کہ یہاں رقیم کے معنی کتاب سے ہیں یعنی ان کے غار پر کوئی کتبہ لگا دیا گیا تھا، اس لیے کتبہ والے مشہور ہو گئے۔ لیکن انھوں نے تورات کی طرف رجوع کیا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ ”رقیم“ وہی لفظ ہے جسے تورات میں راقیم کہا گیا ہے اور یہی تحقیقت ایک شہر کا نام تھا، جو آگے چل کر پیٹر کے نام سے مشہور ہوا، اور عرب اسے بطرا کہنے لگے۔“

عالم کیر جنگ کے بعد آثارِ قدیمہ کی تحقیقات کے جو نئے گوشے کھلے ہیں ان میں ایک ”پیٹر“ بھی ہے اور اس کے انکشافات نے بحث و نظر کا ایک نیامیدان مہیا کر دیا ہے۔ اس انکشاف کے بعد قدرتی طور پر یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ اصحابِ کہف کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا اور قرآن نے صاف صاف اس کا نام الرقیم بتلا دیا ہے اور جب اس نام کا ایک شہر موجود تھا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ رقیم کے معنی میں تکلفات کیے جائیں اور بغیر کسی بنیاد کے اسے کتبہ پر محمول کیا جائے۔ یہاں ضمناً اس بات کا ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں محسوس ہوتا کہ مولانا مودودی نے مولانا آزاد کی اس تحقیق سے اختلاف کیا ہے۔ وہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جدید زمانہ کے محققین آثارِ قدیمہ نے یہ بات ماننے میں سخت تامل کیا ہے کہ پیٹر اور راقیم ایک چیز ہیں۔ مزید فرماتے ہیں ہمارے نزدیک صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ رقیم سے مراد کتبہ ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳، مول مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی)

## علم جنین

رحمِ مادر میں بچہ کی تخلیق سے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے:

تَمَّ خَلْقَنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا

الْمُضَعَّفَةَ عِظَامًا فَلَكْسُونًا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَا خَلْقًا آخَرَ فَبَارَكُ  
اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (المؤمنون: ۱۴)

اس آیت میں ”خَلْقًا آخَرَ“ کی تشریح شاہ صاحب نے کی ہے ’روح بیونگنا اور ناعن اور بال کا اگنا‘ ۷۹

مولانا ابوالکلام آزاد نے رحم با در میں جنین کے ارتقائی مراحل پر علم جنین کی جدید تحقیقات کی مدد سے سیر حاصل بحث کی ہے وہ مذکور تشریح کے بارے میں کہتے ہیں:

”چوں کہ مراتب پیدائش کی کوئی ایسی انقلابی حالت ہمارے فؤاد کے سامنے نہ تھی اس لیے قدرتی طور پر اس کی کوئی جہتی ہوئی تفسیر ان سے بن نہ آئی اور مختلف وادیوں میں نکل گئے بعضوں نے کہا اس سے مقصود نفع روح کی حالت ہے، کیوں کہ اس مرتبے سے پہلے روح نہیں ہوتی، بعضوں نے کہا یہ شکم مادر سے باہر نکلنے کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ وضع حمل اسی کے بعد ہوتا ہے، بعضوں نے کہا مقصود بالوں کا پیدا ہونا ہے اس سے پہلے بال نہیں ہوتے“ ۸۰

مولانا آزاد ایسی تمام توجیہات کی جو قدیم اور جدید مفسرین نے کی ہیں یہی بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”اگر اس مقام کی تشریح و تحقیق کا حق ادا نہ ہو سکا تو اسے مفسروں کے قصور فہم پر محمول نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اس باب میں وہ یقیناً اندر تھے علم و تحقیق کا یہ گوشہ تمام تر زمانہ حال کی پیداوار ہے اور زمانہ حال میں بھی سب سے آخری عہد کی پیداوار۔ انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ جو علوم جدیدہ کے انکشاف و تکمیل کا سب سے زیادہ شاندار زمانہ ہے پورا اگر گنیا اور کارخانہ فطرت کے اس گوشہ مستور کے تمام حجاب نہ اٹھ سکے۔ پس اگر اٹھارہویں صدی کے حکما و معذرتاً تصور کیے جاسکتے ہیں کہ اس بارے میں بالکل غلط رخ پر جا رہے تھے حالانکہ خوردبین ایجاد ہو چکی تھی اور انسانی نقش کی تشریح کا باب مسدود کھل چکا تھا تو ظاہر ہے نویں اور دسویں صدی کے مفسرین قرآن کیوں نہ معذور تصور

کیے جائیں۔“ ۵۱۱

بلاشبہ مولانا آزاد نے نئی علمی تحقیقات سے جو استفادہ کیا ہے اور تشریحِ آیت میں ان سے جو مدد ملی ہے وہ بڑی اہمیت کی حامل ہے، مگر ایک سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ کیا انیسویں صدی کی تحقیقات کے سامنے آنے سے پہلے جملہ مفسرینِ آیت کا مفہوم نہ سمجھ سکے؟ اور یہ پورے ایک ہزار سال کا طویل زمانہ آیتِ الہی کا صحیح مفہوم سمجھنے والے علماء و مفسرین سے خالی رہا؟

### شاہ صاحب پر تنقید

مولانا ابوالکلام آزاد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے مناسبتاً ضرور ہیں مگر ان کے مقلد نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ شاہ صاحب کے بہت سے تفسیری خیالات سے نہ صرف اختلاف کرتے ہیں بلکہ ان پر بر ملا تنقید کرتے ہیں؛ اگرچہ اس تنقید میں عمومی لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں، مگر شاہ صاحب کا نام نہیں لیتے۔ مثلاً

### حق اور ہدایت

سورہ یونس کی آیت ہے قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يَهْدِي فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ - (یونس: ۳۵)

بگو آیا ہمت از شرکیان شما کسے کہ راہ نماید بسوئے دینِ حق، بگو خداست کہ راہ نماید بسوئے حق لائق تر است یا نہ کہ پیروی کردہ شود یا کسے کہ خود راہ نہی یابد مگر اں وقت کہ راہ نمودہ شود۔ ۵۱۲

دیگر مفسرین نے بھی بالعموم ہدایت سے ہدایتِ الہی اور حق سے دینِ حق مراد لیا ہے۔ جبکہ مولانا آزاد کے نزدیک ”یہاں ہدایت سے مقصود وحی نہیں ہے بلکہ وجدان و حواس اور عقل کی ہدایت ہے اور حق سے مقصود دینِ حق نہیں ہے بلکہ لغوی معنی یعنی سچا راستہ، درست راستہ“ ۵۱۳

مولانا آزاد ان مفسرین پر سخت تنقید کرتے ہیں جو یہاں ہدایت سے مراد

ہدایتِ وحی اور حق سے مراد دینِ حق لیتے ہیں اور وہ اس تفسیر کو ان مفسرین کا قصور نہیں سمجھتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”یہ مقام قرآن کے مہاتِ دلائل میں سے ہے اور ضروری ہے کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے، چونکہ اس آیت میں ہدایت اور حق کے الفاظ آئے ہیں اس لیے مفسرین نے خیال کیا کہ ہدایت سے مقصود ہدایتِ وحی ہے اور حق سے مقصود دینِ حق۔ اور فارسی و اردو کے تمام مترجموں نے بھی انھیں کی پیروی کی، نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے استدلال کی ساری حقیقت مفقود ہو گئی اور آیت کا مطلب بھی کچھ سے کچھ ہو گیا۔ اس طرح تمام مقامات دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے کہ متاخرین کا معیارِ نظر و مطالعہ کیوں اس درجہ پست ہو گیا تھا کہ قرآن کے صاف و صریح مطالب سے بھی آشنا نہ ہو سکے“ ۳۷۵

## سامری کی گوسالہ پرستی

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی پکار پر گئے اور اپنی قوم کی نگرانی حضرت ہارون کے سپرد کی تو اس عرصہ میں سامری نے ایک بچہ بنا کر پوری قوم کو اس کی پرستش کی دعوت دی۔ سفر سے واپسی پر موسیٰ نے سامری سے جواب طلب کیا تو انھوں نے کہا۔

بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ  
فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي (ط: ۹۶)

شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ و مطلب یہ بیان کیا ہے:

”میں نے وہ چیز دیکھی جو سارے لوگوں نے نہیں دیکھی، پس میں نے ایک مٹھی مٹی جبریل کے نقشِ قدم سے اٹھائی اور اسے ڈال دیا، اسی طرح میرے نفس نے میرے سامنے پیش کیا“

تشریح میں شاہ صاحب نے یہ اضافہ کیا ہے یعنی اس ڈھانچے میں ڈال دیا جو گوسالہ کی شکل میں سونے کا بنایا تھا“ ۳۷۵

مولانا آزاد نے ترجمہ کیا ہے :

”میں نے وہ بات دیکھنی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی اس لیے اللہ کے رسول (موسیٰ) کی بیروی میں میں نے بھی کچھ حصہ لیا تھا، پھر چھوڑ دی (کیا کہوں) میرے جی نے ایسی ہی بات مجھے سُنھائی۔“ ۵۷

مولانا آزاد نے تشریح میں ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جنہوں نے رسول سے مراد فرشتہ اور قبۃ من اثر الرسول کا مطلب فرشتہ کے نقشِ قدم کی مٹھی لی ہے۔ اور اسے یہود کی کہانی قرار دیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں :

”افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ کہانی تفسیر کی روایتوں میں بھی شامل ہو گئی اور اثر الرسول کا مطلب یہ بنا لیا کہ ”جبریل کے نقشِ قدم“ کی ایک مشتبہ خاک سامری نے اٹھالی تھی، لیکن یاد رہے کہ یہ تفسیر کسی بھی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، اتنا ہی نہیں بلکہ ایسی تفسیر کرنا قرآن کے اس مقام کو مستحکم و انکیز حد تک بے معنی بنا دینا ہے۔“ ۵۸

مولانا آزاد نے اس کو تفصیلی دلائل سے ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

## الساعة کا مفہوم

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَ  
 إِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ (الحجر: ۸۵)

شاہ صاحب نے اس آیت میں ”الساعة“ کا ترجمہ قیامت کیا ہے۔ مگر مولانا آزاد نے اس پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”قرآن میں الساعۃ کا لفظ کہیں تو روزِ قیامت کے لیے بولا گیا ہے۔ کہیں ایک ایسے فیصلہ کن دن کے لیے جو دعوتِ حق اور اس کے مخالفوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا، اس آیت میں ”الساعة“ سے مقصود ایسا ہی دن ہے، قیامت کا دن نہیں جیسا کہ اکثر مفسروں اور مترجموں نے قرار دیا ہے۔“ ۵۹

## شاہ صاحب کا امتیاز

بعض مقامات پر صاف محسوس ہوتا ہے کہ مولانا آزاد کی معنی آفرینی کی کوششوں کے باوجود آیت کی تشریح شاہ صاحب کی تفسیر سے فروتر ہے۔

قصہ یوسف میں ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کو قید سے نکالنے کے لیے بادشاہ کا اہلیچی آتا ہے تو حضرت یوسفؑ قاصد کو یہ کہہ کر واپس کر دیتے ہیں کہ اپنے آقا سے ان عورتوں کی سرگزشت پوچھو جنہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں۔ بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یوسفؑ معصوم ہیں۔ تب عزیز مصر کی بیوی نے اقرار کر لیا کہ آج سچی بات ظاہر ہو گئی، ہاں میں نے یوسفؑ کو پھسلایا تھا اور وہ راست باز تھا۔ اس منظر کے بعد دو آیتیں ہیں۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي لَمْ اخْنَثْ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ  
الْخٰٓئِنِيْنَ وَاَمَّا رَبِّيُّ لَفُضِيْ بِرَانَ النَّفْسِ لَا مَارَةَ بِالسُّوْءِ الْاِمَارٰتِمْ  
رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۵۲-۵۳)

مولانا آزاد نے ان دونوں آیتوں کا ترجمہ کیا ہے:

”یہ میں نے اس لیے کہا کہ اسے معلوم ہو جائے (یعنی یوسفؑ کو معلوم ہو جائے) کہ میں نے اس کے پیچھے پیچھے اس کے معاملہ میں خیانت نہیں کی نیز اس لیے کہ (واضح ہو جائے) اللہ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں پر کبھی (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا۔ میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتی، آدمی کا نفس تو برائی کے لیے بڑا ہی ابھارنے والا ہے (اس کے غلبہ سے بچنا آسان نہیں) مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحم کرنے والا ہے“ ۵۹

شاہ ولی اللہ نے مذکورہ دونوں آیتوں کو زوجہ مصر کے بجائے حضرت یوسفؑ کا قول بتایا ہے اور اس آیت سے کلام کو جوڑا ہے جس میں حضرت یوسفؑ نے بادشاہ مصر سے کہا ہے کہ ان عورتوں سے میرے جرم بے گناہی کی تفصیل معلوم کریں



جس کے الزام میں مجھے قید کی سزا دی گئی، جب تک وہ الزام رفع نہ ہو جائے میں قید خانہ سے نہیں جاؤں گا۔ اور اگلی دو آیتیں اسی قول کی وضاحت حکمت اور عظمت کی شہادت کے لیے ہیں۔ ”گفت یوسف) این ہمہ برائے نسبت تبادلہ عزیز کہ من خیانت او کردم غائبانہ و بدانکہ خدراہ نمی نماید خیانت کنندگان“ سلفہ یہی معنی عام طور پر مفسرین نے لیا ہے۔

مولانا آزاد نے محض کلام کے تسلسل کا خیال رکھتے ہوئے مذکورہ دونوں آیتوں کو ما قبل کی آیت کا حاصل بنا دیا، اگرچہ اس سلسل میں ان کے پیش رو ابن تیمیہ اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر مفسرین ہیں، مگر موقع کلام کی نزاکت اور واقعہ کی دائمی شہادت مولانا آزاد کی ترجمانی کو کوزر اور شاہ صاحب کی ترجمانی کو مضبوط ثابت کرتی ہے۔

عزیز مہر کی بیوی کیسے کہہ سکتی ہے کہ یوسف کو معلوم ہو جائے کہ اس کی خیانت نہیں کی۔ اس سے بڑی خیانت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک پاک نفس نوجوان کا دامن عصمت داغ دار کرنے کی سعی کی۔ پھر اس پر بھوٹا الزام لگایا اور پھر اپنے اثرات کا استعمال کر کے قید و بند کی سزا دلا دی، پھر وہ کس منہ سے کہہ سکتی تھی کہ میں اپنے نفس کی برأت نہیں کرتی جبکہ بے شرمی، شہوت پرستی اور غرور کے سارے مظاہرے کر ڈالے۔ یہ دونوں باتیں صرف حضرت یوسف کی عصمت و عظمت کی تصویر کشی کرتی ہیں اور انہی کو زریب دیتی ہیں۔ حضرت یوسف نے بادشاہ سے الزام کی از سر نو تحقیقات اس لیے کرائی کہ عزیز مہر کو معلوم ہو جائے کہ جس نوجوان کو انھوں نے بیٹے کی طرح عزت و احترام سے گھر میں رکھا تھا اس نے اس کے غائبانہ میں کوئی خیانت نہیں کی پھر یہ کہ میں انسان ہوں اور انسان کے ساتھ اس کا نفس لگا رہتا ہے، مگر میرے ساتھ میرے رب کی مہربانی رہی جو ہر نازک مرحلہ میں میری رہنمائی کرتی رہی۔ یہ آیت وَلَقَدْ هَمَمْتُ بِهِ وَهَمَمْتُ بِمَا لَوْلَا أَنْ تَلَا بُرْهَانَ رَبِّيَ كَانَتْ لِي صَوْرَتِ اعتراف اور اظہار ہے۔ ایسے بلند اور پاکیزہ کلام کا کہنے والا وہی ہو سکتا ہے جس کا کردار بھی پاکیزہ اور بلند رہا ہو اور وہ حضرت یوسف ہیں نہ کہ عزیز مہر کی بیوی۔

مولانا آزاد کا امتیاز

بعض مقامات پر مولانا آزاد کا ترجمہ و تشریح شاہ صاحب کے مقابل میں زیادہ

معنی خیز اور سیاق و سباق سے ہم آہنگ معلوم ہونا ہے۔ مثال کے لیے دیکھیے:

الْيَوْمَ اٰهْلَ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اَوْلَوْا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ  
وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ (المائدہ: ۵)

اس آیت کا مولانا آزاد نے ترجمہ کیا ہے۔

”آج (کہ دینِ حق اپنے ظہور میں کامل ہو گیا ہے) تمام اچھی چیزیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں (جو بے جا قیدیں لوگوں نے نگا رکھی تھیں سب دور ہو گئیں) ان لوگوں کا کھانا جنہیں کتاب دی گئی ہے تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے“ ۱۹۱ھ

اس جگہ شاہ صاحب ایک دوسرا مفہوم بیان کرتے ہیں:

”یعنی جو کچھ اہل کتاب کے لیے حلال تھا وہ تمہارے لیے بھی حلال ہے مثلاً گائے اور بکری اور جو کچھ تمہارے لیے حلال کیا گیا مثلاً اونٹ اور ناخون والے جانوروہ ان لوگوں کے لیے بھی حلال ہے جو ان لوگوں میں سے ایمان لائے اور یہود و نصاریٰ کے قبیلوں کا اس باب میں اعتبار نہیں“ ۱۹۲ھ

مولانا آزاد کی تشریح جمہور مفسرین سے ہم آہنگ اور زیادہ معنویت کی حامل ہے، جبکہ شاہ ولی اللہ کی تشریح میں نکتہ آفرینی تو بے شک ہے مگر اقتضا و کلام دوسرا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام لانے کے بعد پچھلی تمام چیزیں ختم ہو جاتی ہیں اور اسلام لانے والا کسی بھی رنگ و نسل یا فرقہ و مذہب سے ہو اس پر وہی احکام نافذ ہوتے اور اس کے وہی حقوق ہوتے ہیں جو عام مسلمانوں کے ہوتے ہیں، اس میں اہل کتاب کی کوئی تخصیص نہیں۔ اب اس جملہ کی کوئی اہمیت نہیں رہتی کہ تمہارا کھانا ان کے لیے اور ان کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔ آیت کی معنویت تو اس وقت روشن ہوتی ہے جب یہ کہا جائے کہ مشرکانہ و ملحدانہ مذہب کے مقابلہ میں یہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہیں جن کا کھانا یعنی ذبیحہ تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے، کیونکہ اسی آیت میں اہل کتاب کی عورتوں سے بھی نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے جبکہ مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

آخر میں شاہ ولی اللہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمہ کا فرق امتیاز سمجھنے کے لیے چند آیتوں کے تراجم کو بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے، اہل نظر ان کا محاکمہ خود کر سکتے ہیں۔

آیات	فتح الرحمن	توجیحات القراءت
(۱) وَآخِذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَلِيْسٍ (الاعوان: ۱۶۵)	و گرفتار کر دیم تم کاراں را	شرارت کرنے والوں کو ایک ایسے عذاب میں ڈالا کرومی و نامرئی میں مبتلا کرنے والا عذاب کیا۔
(۲) وَتَكُونُوا مِنْ يَدْرِهَا قَوْمًا صَالِحِينَ (یوسف: ۹)	تا با شید بعد ازین گرو پے شائستہ (یعنی توبہ کنید)	اور اس کے (یوسف کے) نکل جانے کے بعد بارے سارے کام سدھر جائیں۔
(۳) فَدَّجَعَلْ رَبُّكَ لَحَلَكِ سَرِيًّا (مریم: ۲۴)	پیدا کردہ است پروردگار تو	تیرے پروردگار نے تیرے تلے ایک بڑی ہستی پیدا کر دی ہے۔
(۴) وَشِيبَاكَ فَطِهْرًا (الفرقان: ۴)	وجام ہائے خود را پاک ساز	اور اپنے قلب کو پاکیزہ رکھو۔

## حواشی

۷۶ الفوز الکبیر ص ۷۸	۷۵ ترجمان القرآن ۱/۳۸، دیباچہ ۵۵	ایضاً ۱۴/۴ تا ۲۲
۷۹ ترجمان القرآن ۳/۷۱	۷۸ فتح الرحمن، النساء - ۵۸	۷۷ ترجمان القرآن ۲/۷۹
۷۲ فتح الرحمن، التوبہ - ۲۹	۷۳ ترجمان القرآن ۳/۲۶۱	۷۲ ایضاً ۸۹۲ حواشی
۷۵ فتح الرحمن، یوسف - ۷۷ حاشیہ	۷۴ ترجمان القرآن ۲/۱۱	۷۴ فتح الرحمن، الانعام - ۲۰
۷۸ ترجمان القرآن ۲/۱۱	۷۹ ایضاً ص ۲۳۹	۷۸ نکلے فتح الرحمن، الانبیاء - ۷۸
۸۱ ترجمان القرآن ۲/۷۹	۸۰ فتح الرحمن، البقرہ ۲۲۸	۸۰ ترجمان القرآن ۲/۱۸۹
۸۴ فتح الرحمن، النساء - ۳۲	۸۳ ترجمان القرآن ۲/۱۹۰	۸۳ ایضاً ۵۲/۱ دیباچہ
۸۷ فتح الرحمن، الکہف - ۹	۸۶ ترجمان القرآن ۴/۲۶۹	۸۶ فتح الرحمن، المؤمنون - ۱۳
۸۸ ترجمان القرآن ۲/۹۲۸	۸۵ ایضاً ص ۹۲۹	۸۵ فتح الرحمن، یونس - ۳۵
۸۳ ترجمان القرآن ۳/۵۸۷	۸۴ ایضاً ص ۵۸۵	۸۴ فتح الرحمن، ط - ۹۶
۸۶ ترجمان القرآن ۴/۶۳۴	۸۵ ایضاً ص ۶۶۷	۸۵ ایضاً ص ۱۲۲
۸۹ ایضاً ۷۵/۳ - ۷۶	۸۸ فتح الرحمن، یوسف - ۵۲	۸۸ ترجمان القرآن ۲/۵۹۳
۹۲ فتح الرحمن، المائدہ - ۵		